پچیسواں فقہی سمینار

منعقدہ: ۲۵ تا ۲۷ ربیع الثانی ۱۴۳۷ھ، مطابق ۵ تا ۷ فروری ۲۰۱۶ء، بدر پور، آسام

- ☆ اہل کتاب سے متعلق مسائل واحکام
- ☆ اسلام میں بوڑھوں اور کمزوروں کے حقوق
- ☆ وحدت امت-اصول وآداب
- ☆ بین مذہبی مذاکرات-اصول وآداب
- ☆ طلاق غضبان (غصہ کی طلاق)

سوالنامہ:

اہل کتاب اوران سے متعلق احکام

نکاح سے نسل انسانی کی بقاء،عفت وعصمت کی حفاظت اور خاندان کا وجود متعلق ہے، یہ مرد کے لیے بھی وجہ سکون ہے اور عورت کے لیے بھی، اسی لیے شریعت میں نکاح وطلاق سے متعلق احکام میں اس بات کو ملحوظ رکھا گیا ہے کہ اس رشتہ کو سوچ سمجھ کر وجود میں لایا جائے اور جہاں تک ممکن ہو، برقرار رکھنے اور ٹوٹنے سے بچانے کی کوشش کی جائے ،اس بات کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے کہ زوجین کے درمیان فکری، سماجی، معاشی اور تہذیبی ہم آہنگی پائی جائے ،اسی نقطۂ نظر سے کسی مسلمان عورت کا نکاح کسی غیر مسلم مرد سے یا کسی مسلمان مرد کا نکاح اہل کتاب عورتوں کے سوا کسی اور غیر مسلم عورت سے نہیں ہوسکتا، اس کا ایک خصوصی سبب یہ بھی ہے کہ نکاح کے ذریعہ زوجین ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں اور دونوں مل کر اپنے بال بچوں کی فکری واخلاقی تربیت کرتے ہیں،تو ایسا نہ ہو کہ کسی مسلمان خاندان میں غیر مسلم مرد یا عورت کا داخل ہوجانا اس خاندان کے دینی مزاج پر اثر انداز ہونے لگے۔

غیر مسلموں سے نکاح کے سلسلہ میں شریعت نے دو بنیادی اصول مقرر کیے ہیں: اول یہ کہ مسلمان عورت کا نکاح کسی غیر مسلم مرد سے نہیں ہوسکتا،خواہ وہ عام مشرکین میں سے ہو یا اہل کتاب میں سے، دوسرا اصول یہ ہے کہ مسلمان مرد کے غیر مسلم عورت سے نکاح کرنے میں غیر مسلموں کے دو درجات متعین کیے گئے ہیں،ایک: عام کفار ومشرکین، دوسرے: اہل کتاب۔ پہلے درجہ کی عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں، دوسرے درجہ کی غیر مسلم عورتوں سے نکاح کی گنجائش رکھی گئی ہے۔

اس کے علاوہ بعض اور مسائل میں بھی اہل کتاب کے احکام دوسرے غیر مسلم بھائیوں سے مختلف ہیں، جیسے عام کفار ومشرکین کا ذبیحہ جائز نہیں، اہل کتاب کا ذبیحہ بعض شرطوں کے ساتھ جائز ہے، اکیڈمی کے ساتویں فقہی سمینار میں ''مشینی ذبیحہ'' کے عنوان کے تحت یہ موضوع آچکا ہے۔قرآن مجید میں اہل کتاب کو مسلمانوں کے ساتھ مشترکہ اقدار (کلمہ سواء) پر آنے کی ترغیب دی گئی ہے، وہ جن کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں، مسلمانوں کو اجمالی طور سے ان پر ایمان رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، وہ جن مقدس شخصیتوں کو تسلیم کرتے ہیں، قرآن مجید نے ان کے نبی ہونے کی تصدیق کی ہے؛ اس لیے ان کے نبی ہونے پر ایمان رکھنا ایک مسلمان کے لیے جزو ایمان ہے۔

اس پس منظر میں اہل کتاب کی حقیقت اور ان سے متعلق احکام پر غور کرنے کی ضرورت ہے؛ کیونکہ آج دنیا کے بیشتر علاقوں میں انسان ایک کثیر مذہبی معاشرہ میں زندگی گزارتا ہے، جہاں مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان سماجی تعلقات پائے جاتے ہیں اور میل جول کا ماحول رہتا ہے، چنانچہ درج ذیل سوالات آپ کی خدمت میں پیش ہیں، امید کہ آپ کتاب وسنت، آثار صحابہ نیز ائمہ متبوعین اور سلف صالحین کے اجتہادات سے استفادہ کرتے ہوئے تفصیل کے ساتھ جوابات تحریر کریں گے۔

۱- اہل کتاب کی تعریف کیا ہے؟

۲- قرآن مجید میں اہل کتاب کی حیثیت سے یہود ونصاریٰ اور صائبین کا ذکر آیا ہے، ان میں سے یہود ونصاریٰ تو معروف ہیں؛ لیکن صائبین سے کون لوگ مراد ہیں اور کیا اب یہ گروہ پایا جاتا ہے؟ اس بات کی وضاحت فرمائیں۔

۳- رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں جو یہود ونصاریٰ تھے، وہ بھی بہت سی گمراہیوں کے باوجود ایک خدا کے قائل تھے، اگرچہ عیسائی تین کے مجموعہ کو ایک مانتے تھے۔ اسی طرح وہ وحی، نبوت، ملائکہ اور آخرت میں جزا وسزا کو بھی تسلیم کرتے تھے؛ البتہ رسول اللہ ﷺ کو نبی نہیں مانتے تھے؛ لیکن موجودہ دور میں یہ صورت حال نہیں ہے، خاص کر مغربی ملکوں میں جو لوگ اپنے آپ کو یہودی یا عیسائی کہتے ہیں، ان میں بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے، جو خدا کے وجود ہی کی قائل نہیں ہے، اگر خدا کو مانتے ہیں تو وحی ورسالت اور آخرت کو نہیں مانتے، کیا ایسے لوگوں کا شمار بھی یہود ونصاریٰ میں ہوگا اور نکاح وذبیحہ کے معاملہ میں ان کے ساتھ اہل کتاب کا معاملہ کیا جائے گا؟

۴- بعض ایسے باطل ادیان بھی ہیں، جو شریعت محمدی کے نازل ہونے کے بعد ایجاد کیے گئے ہیں، جیسے بہائی، بابی، سکھ اور قادیانی، ان میں سے بعض گروہ قرآن کو بھی اللہ کی کتاب تسلیم کرتے ہیں یا محمد ﷺ کو اللہ کا رسول مانتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کے بعد کسی اور الہامی کتاب کے اور خاتم النبیین ﷺ کے بعد کسی اور شخص کے نبی ہونے کے دعویدار ہیں، کیا ان کا شمار بھی اہل کتاب میں ہوگا؟

۵- قادیانی دوطرح کے ہیں: ایک: وہ جو خود مرتد ہوئے ہیں، دوسرے: وہ جن کے آبا واجداد مرتد ہوئے اور وہ نسلی طور پر قادیانی ہیں، اگر قادیانی اہل کتاب میں سے نہیں ہیں تو کیا قادیانیوں میں سے دوسرا گروہ یعنی نسلی قادیانیوں کو اہل کتاب میں شمار کیا جاسکتا ہے؟

۶- بعض فقہاء نے اہل کتاب سے نکاح کے مسئلہ میں دارالاسلام اور دارالکفر کے درمیان فرق کیا ہے، دارالاسلام میں مباح قرار دیا ہے اور دارالکفر میں مکروہ، لیکن:

الف: آج کل مسلم ممالک میں اگر کوئی مسلمان لڑکا یہودی یا عیسائی لڑکی سے نکاح کرلے تو مغرب کے فکری تسلط کی وجہ سے بیوی کے شوہر پر اثر انداز ہونے کا پورا خطرہ رہتا ہے، خاص کر عرب ملکوں میں مسلمان حکمرانوں، فوجی کمانڈروں اور اعلیٰ سرکاری عہدہ داروں کے یہودی اور عیسائی عورتوں سے نکاح کرنے نے عالم اسلام کو غیر معمولی فوجی، سیاسی اور معاشی نقصان پہنچایا ہے۔ ان حالات میں دار الاسلام میں اہل کتاب خواتین سے نکاح کرنے کا کیا حکم ہوگا؟

ب: مغربی ممالک میں مسلمان مختلف محرکات جیسے مزاجی ہم آہنگی، ویزہ کی سہولت وغیرہ کے تحت یہودی وعیسائی کی عورتوں سے نکاح کرتے ہیں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے یہ نکاح دعوتی نقطۂ نظر سے کیا ہے اور یہ بات دیکھی جاتی ہے کہ اکثر وبیشتر مسلمان مردوں کے نکاح میں آنے والی عورتیں دامن اسلام میں آجاتی ہیں اور پھر وہ ایمان کی روشنی اپنے خاندان اور سماج تک بھی پہنچانے کی کوشش کرتی ہیں تو کیا اس صورت حال میں بھی ان لوگوں کے قول پر اہل کتاب سے نکاح کرنے کی کراہت باقی رہے گی، جو دار الکفر میں اہل کتاب سے نکاح کو مکروہ قرار دیتے ہیں؟

۷- قرآن مجید میں یہ بات فرمائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں اپنے پیغمبر بھیجے ہیں اور ہر زبان میں اپنی کتاب نازل فرمائی ہے؛ لیکن جن انبیاء اور آسمانی کتابوں کا قرآن مجید نے ذکر کیا ہے، ان کے علاوہ دوسری شخصیتوں اور کتابوں کے بارے میں یہ فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ کیا وہ اپنے عہد کے پیغمبر تھے اور کیا ان کے ماننے والوں کے پاس جو مذہبی کتاب موجود ہے، اور وہ ان کو خدائی تعلیمات کا مجموعہ قرار دیتے ہیں، کیا وہ آسمانی کتابیں ہیں، جن میں تورات وانجیل کی طرح ان کے ماننے والوں نے آمیزشیں کردی ہیں؟ اسی

سے یہ سوال ابھرتا ہے کہ ہندو مذہب کی کتابوں خاص کر ویدوں میں توحید کی واضح تعلیمات موجود ہیں، آخرت کا تصور بھی ہے ، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کی خوش خبری بھی ہے اور اس میں قریب قریب صراحت کے ساتھ آپ کے اسماء مبارکہ 'احمد' اور 'محمد' کا لفظ استعمال ہوا ہے تو کیا برادران وطن جن شخصیتوں کو خدا کا اوتار مانتے ہیں، کیا یقین کیا جاسکتا ہے کہ یہ اپنے اپنے عہد میں اللہ کے پیغمبر رہے ہوں گے اور جیسے عیسائیوں نے حضرت عیسیٰؑ کے معاملہ میں مبالغہ سے کام لیا، ان کے ماننے والوں نے ان کے بارے میں مبالغہ سے کام لیا ہوگا اور کیا ان کی کتابوں کو قرآن مجید کی بیشتر اعتقادی اور اخلاقی تعلیمات میں موافقت کی بنیاد پر الہامی کتاب تسلیم کیا جاسکتا ہے؟

۸- اہل کتاب سے سماجی تعلقات کے سلسلہ میں چند باتیں خاص طور پر قابل توجہ ہیں:

الف: عیسائی مشنریز تعلیم پر خصوصی توجہ دیتی رہی ہیں اور پورے ملک میں ان کے اسکولوں کا جال بچھا ہوا ہے، یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان اسکولوں سے پڑھ کر نکلنے والے طلبہ وطالبات کی ایک اچھی خاصی تعداد الحاد ودہریت کا شکار ہوجاتی ہے اور ان کے ذہن میں شکوک وشبہات کے کانٹے جڑ پکڑ لیتے ہیں، ان حالات میں مسلمان لڑکوں اور لڑکیوں کا ایسے اداروں میں داخلہ لینے کا کیا حکم ہے، کیا مسلمانوں کو اپنے علاقہ میں ایسے اسکولوں کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے؛ تاکہ ان کے بچے عصری تعلیم سے آراستہ ہوسکیں اور ان کو روزگار کے مواقع حاصل ہوسکیں، یا اس سے اجتناب کرنا چاہیے اور متبادل معیاری تعلیمی درسگاہوں کے قیام پر توجہ دینی چاہیے؟

ب: اگر اہل کتاب خاتون سے نکاح کیا جائے تو اس کے کیا حقوق ہوں گے؟ کیا اس کے وہی حقوق ہوں گے جو مسلمان بیویوں کے ہیں، کیا نکاح کرنے کے بعد ان کے حقوق سے راہ فرار اختیار کرنے اور ان کو چھوڑ کر بھاگ آنے یا محض غیر مسلم ہونے کی بنا پر طلاق دے دینے کی اجازت ہوگی۔

ج: جو اہل کتاب خواتین مسلمان مردوں کے نکاح میں ہوں، وہ اپنے شوہر کے گھر میں مذہبی مراسم انجام دے سکتی ہیں یا نہیں؟

د: عیسائی مشنریز کثرت سے ہاسپیٹل اور قرض مہیا کرنے والے ادارے بھی قائم کرتی ہیں، یہ ادارے خدمت خلق کے ساتھ ساتھ اپنے مذہب کی تبلیغ اور کم سے کم دوسروں کو ان کے مذہب سے دور کردینے میں اہم کردار ادا کررہے ہیں، ایسے اداروں میں خدمت کرنے اور ان کی خدمات سے استفادہ کرنے میں مسلمانوں کا کیا رویہ ہونا چاہیے؟

☆☆☆

سوالنامہ

معذوروں اور بوڑھوں کے حقوق

انسان عام طور پر اپنی زندگی میں تین مرحلوں سے گزرتا ہے۔ وہ اس حال میں پیدا ہوتا ہے کہ اسکی آنکھیں بند ہوتی ہیں، زبان قوت گویائی سے محروم ہوتی ہے، پاؤں میں چلنے کی طاقت نہیں ہوتی اور عقل وشعور کے اعتبار سے بھی وہ ایک ناقص وجود ہوتا ہے؛ پھر قدرت کے ہاتھوں آہستہ آہستہ اسکی نشو ونما ہوتی ہے اور جب وہ بڑھتے بڑھتے جوانی کی منزل میں داخل ہوتا ہے تو اسکی ساری صلاحیتیں اور قوتیں اوج کمال پر ہوتی ہیں، اس کی طبیعت میں مہم جوئی کا جذبہ ہوتا ہے یہاں تک کہ بعض اوقات دشوار راستوں پر چلنے اور خطرات کے طوفانوں سے کھیلنے میں اسے لطف آنے لگتا ہے، پھر اللہ کی طرف سے اسکی تمام قوتوں اور صلاحیتوں میں انحطاط شروع ہوتا ہے۔ جس شخص کو کل دوڑنے بھاگنے اور کود پھاند کرنے میں لطف آتا تھا اب وہ دو قدم چلنے میں بھی کسی انسان یا لاٹھی کا محتاج ہوجاتا ہے گویا ایک طرح سے پھر اسکا بچپن لوٹ آتا ہے اور اس کی انتہاء اپنی کیفیت کے اعتبار سے اسکی ابتداء کی ہم پایہ نظر آتی ہے۔

لیکن فرق یہ ہے کہ ماں باپ کے دل میں بچہ کی اتنی اتھاہ محبت ہوتی ہے کہ وہ بچوں کی خوشی کے لئے اپنی ہر خوشی کو قربان کردیتا ہے، اس کو اس تکلیف میں بھی راحت محسوس ہوتی ہے جو اس کے بچہ کو کسی تکلیف سے بچالے لیکن وہی والدین جب خود بوڑھاپے کی منزل میں پہنچتے ہیں تو انہیں اپنے بچوں سے وہ پیار نہیں مل پاتا ہے جو انہوں نے اپنے بچوں کو انکے بچپن میں دیا تھا بلکہ اگر بچوں میں اللہ کا خوف نہ ہو تو والدین ایک بوجھ محسوس ہونے لگتے ہیں اسی لئے قرآن مجید نے یہ نصیحت کی کہ جب والدین میں سے کوئی بوڑھاپے کو پہنچ جائے تو انہیں اُف بھی نہ کہو اور نہ انکو جھڑکو، بلکہ ان سے نرم گفتگو کیا کرو (بنی اسرائیل: ۲۳)۔۔۔۔ یہ تو ان بوڑھوں کا حکم ہے جو گھروں کے اندر موجود ہوتے ہیں لیکن سماج کے بوڑھے لوگوں کے ساتھ جو بے اعتنائی برتی جاتی ہے وہ بھی کچھ کم نہیں ہوتی۔ ان کے ساتھ ایسا سلوک روا رکھا جاتا ہے کہ گویا وہ زائد از ضرورت کوئی شے ہو؛ اسی لئے آپ ﷺ نے بوڑھوں کی توقیر کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ جو نوجوان کسی بوڑھے شخص کا اسکی عمر کی وجہ سے احترام کرے تو جب وہ بوڑھاپے کو پہنچے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے چھوٹوں میں اس کے احترام کا جذبہ پیدا فرمائیں گے۔

تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ آج سماج میں شاید یہ سب سے مظلوم طبقہ ہے، انکے حقوق کی طرف سے سب سے زیادہ بے توجہی برتی جاتی ہے اور انکے لئے کوئی آواز اٹھانے والا بھی نہیں۔ اس پس منظر میں بوڑھے اور سن رسیدہ لوگوں کے حقوق کے سلسلہ میں چند اہم سوالات ہیں، جن پر غور کرنے کی ضرورت ہے:

۱۔ اگر کوئی شخص بوڑھاپے کی عمر کو پہنچ گیا لیکن اتنا کمزور نہیں ہے کہ کسب معاش نہ کرسکے کسی قدر مشقت کی ساتھ سہی وہ کما کر خود اپنی ضرورت پوری کرسکتا ہے تو کیا ایسے شخص کو اسکی اولاد یا اعزاء واقارب جن کے ذمہ اسکا نفقہ واجب ہے کسب معاش پر مجبور کرسکتے ہیں؟

۲۔ سن رسیدہ حضرات کا نفقہ وعلاج کن صورتوں میں دوسروں پر واجب ہوگا؟

۳۔ بوڑھے والدین یا خاندان کے وہ بڑے جن کا نفقہ انکے چھوٹوں پر محتاجی کی صورت میں واجب ہے اگر وہ محتاج نہ ہوں خود صاحب ثروت ہوں تب بھی وہ اپنی اولاد سے یا ان لوگوں سے جن پر بحالت حاجت نفقہ واجب ہوتا ہے زیادہ سہولت کے لئے یا دوسرے

لوگوں پر خرچ کرنے کے لئے یا کچھ رقم محفوظ کرنے کے لئے زائد رقم کا مطالبہ کرسکتے ہیں؟

۴۔ ایک اہم مسئلہ والدین اور بزرگوں کی جسمانی خدمت، خاص کر جب انسان چلنے پھرنے اٹھنے بیٹھنے اور کسی ضرورت کو پوری کرنے میں سہارے کا محتاج ہوجائے، ایسی صورتحال میں اگر بیٹا زیادہ پیسہ کمانے کی غرض سے دوسرے شہر، دوسری ریاست یا دوسرے ملک میں چلا جائے تو بوڑھوں کی دشواریاں بہت بڑھ جاتی ہیں ان حالات میں:

الف: کیا زیادہ آمدنی کے لئے لڑکوں کا اپنے ماں باپ کو چھوڑ کر دوسری جگہ جانا جائز ہے؟

ب: اگر بہو ساس سسر کے ساتھ رہنا نہ چاہتی ہو یا اسکی ساس کو خدمت کی ضرورت ہو لیکن کوئی خدمت گار موجود نہ ہو اور بیٹیوں کو انکے شوہروں کی طرف سے میکے میں رہنے کی اجازت نہ ہو تو اس صورت میں بہو کی کیا ذمہ داری ہے؟ اور کیا اسے اسکے ساس سسر کے ساتھ رہنے پر مجبور کیا جاسکتا ہے؟

ج: ماں باپ کی خدمت صرف بیٹوں پر واجب ہے یا بیٹیوں پر بھی، بعض اوقات بیٹیاں اپنے والدین کی مجبوری اور بے بسی کو دیکھتے ہوئے اپنے والدین کی خدمت کرنا چاہتی ہیں لیکن ان کے شوہران کو اس کی اجازت نہیں دیتے۔ کیا ان کے شوہر کو اس کا حق حاصل ہے؟

۵۔ انسان کو جس طرح جوانی میں بیوی کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح وہ بوڑھاپے میں بھی بیوی کا محتاج ہوتا ہے تاکہ اس عمر کے سرد وگرم کو سہنا اس کے لئے آسان ہوجائے؛ ہندوستان کے معاشرہ میں عام طور پر بیٹے اور بیٹیاں اپنی والدہ کے فوت ہونے کے بعد والد کے دوسرے نکاح میں رکاوٹ بنتے ہیں کیا انکا یہ رکاوٹ بننا درست ہے؟ اور اگر خود والد میں اپنی بیوی کی کفالت کی استطاعت نہ ہو تو اس سلسلہ میں کیا اولاد پر بھی اس نسبت سے کچھ ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟

۶۔ بعض اوقات اولاد والد کی زندگی میں ہی جائداد کا مطالبہ شروع کردیتے ہیں اور اس سے اپنا حق سمجھتے ہیں؛ کیا اولاد کے لئے ایسے مطالبہ کی گنجائش ہے؟ خاص کر ایسی صورت میں جب کہ والدین کی معاشی حالت بہتر اور اولاد محتاج ہوں؟

۷۔ مغربی ملکوں میں عمر دراز لوگوں کے لئے ہاسٹل بنا دیئے گئے ہیں اب ہندوستان میں بھی جگہ جگہ ایسے ہاسٹل بن رہے ہیں جن میں نوجوان اپنے بزرگوں کو داخل کردیتے ہیں؛ اس میں ایک پہلو یہ ہے کہ ان عمر دراز حضرات کو ایک جگہ اپنی ضرورت کی چیزیں مہیا ہوجاتی ہیں اور اپنے ہم عمر لوگ مل جاتے ہیں۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں کی محبت سے محروم ہوجاتے ہیں، عمر کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ انسان چاہتا ہے کہ اس کے بال بچے اس کے قریب رہیں، اولاد اور اولاد کی اولاد کو دیکھ کر اسکی آنکھیں ٹھنڈی ہوں، ایسے ہاسٹلوں میں اس کی یہ خواہش ایک حسرت بن جاتی ہے تو ایسے ہاسٹلوں کے بارے میں شرعی نقطہ نظر کیا ہے؟ کیا کوئی شخص اپنے بزرگوں کو ایسے ہاسٹلوں میں قیام پر مجبور کرسکتا ہے؟

۸۔ بوڑھاپے کی عمر میں اگر انسان کا ہاتھ خالی ہو تو اسکی بے سہارگی اور بڑھ جاتی ہے اور اگر اسکی اولاد یا قریبی رشتہ دار موجود نہ ہوں تب تو انسان اپنے آپ کو اس دنیا میں تنہا محسوس کرنے لگتا ہے؛ کیا ایسے لوگوں کی اجتماعی کفالت کے لئے خصوصی طور پر زکوۃ کی رقم استعمال کی جاسکتی ہے؟

۹۔ عمر دراز لوگوں کے لئے حکومتوں نے مختلف چیزوں میں بعض خصوصی رعایتیں رکھی ہیں جیسے ٹرین وغیرہ میں کرایہ میں تخفیف، حکومت کی طرف سے امدادی وظیفہ، ٹیکس میں رعایت وغیرہ؛ جو لوگ ان رعایتوں کے لئے مطلوب مقررہ حدِ عمر کو نہ پہنچے ہوں کیا انکے لئے ایسی رعایتوں سے فائدہ اٹھانا جائز ہوگا؟

سوالنامہ:

اختلاف رائے اور وحدت امت

اللہ جل شانہ نے مسلمانوں کو اتحاد و اجتماعیت کا حکم فرمایا ہے اور باہمی اختلافات اور فرقہ بندی سے سختی سے منع کیا ہے، ارشاد باری ہے: "**واعتصموا بحبل الله جميعاً ولا تفرقوا واذكروا نعمة الله عليكم إذ كنتم أعداء فألف بين قلوبكم فأصبحتم بنعمته إخواناً**"۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: "**ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ريحكم**"۔

دوسری طرف یہ واقعہ ہے کہ امت مسلمہ کے افراد کے درمیان مختلف قسم کے اختلافات پائے جاتے ہیں اور فکر و نظر کا اختلاف ایک ایسی سچائی ہے جس کو نہ تو مٹایا جاسکتا ہے اور نہ ہی نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔ یہ اختلافات بعض دفعہ عقیدے سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے دور قدیم میں اہل سنت، اہل تشیع، معتزلہ اور خوارج وغیرہ کے اختلافات ہیں اور کبھی ان اختلافات کا تعلق عملی، غیر قطعی احکام سے ہوتا ہے، جیسے ائمہ مجتہدین کے درمیان پائے جانے والے فروعی اختلافات اور کبھی ان اختلافات کا تعلق رنگ، نسل، زبان اور علاقے کی بنیاد پر پائی جانے والی عصبیتوں سے ہوتا ہے، جن کی اسلام نے شدت سے مخالفت کی ہے اور انہیں ختم کرنے کا حکم دیا ہے۔

دور حاضر میں بعض اختلافات نے انتہائی بھیانک شکل اختیار کرلی ہے اور ان اختلافات کے بھڑکنے اور بھڑکانے کی وجہ سے امت اسلامیہ زار و نزار ہے، اس کی وحدت پارہ پارہ ہورہی ہے، اور دشمنان اسلام ان اختلافات کو بھڑکا کر امت مسلمہ کی تباہی و بربادی دیکھ کر خوش ہورہے ہیں، مثلاً دور حاضر میں شیعہ سنی اختلافات جس نے عالم عرب اور عالم اسلام کے خاصے بڑے حصے کو میدان جنگ میں تبدیل کردیا ہے، لاکھوں مسلمان شیعہ سنی جنگوں میں مارے جاچکے ہیں، دسیوں لاکھ کلمہ گو خانہ بدوش اور بے وطن ہوچکے ہیں، اسی طرح بعض ملکوں اور علاقوں میں دیوبندی، بریلوی اختلافات، سلفی غیر سلفی اختلافات، نیز اسلام پسند اور لبرل طبقے کے اختلافات نے بڑی شدت اختیار کرلی ہے اور ان کے باہمی نزاعات انتہائی ناگوار شکلیں اختیار کرچکے ہیں۔

موجودہ حالات کے پس منظر میں علماء امت کی ذمہ داری بنتی ہے کہ ان اختلافات کی شرعی حیثیت واضح کریں اور یہ بتائیں کہ کونسا اختلاف محمود ہے اور کونسا مذموم، اختلاف کے حدود و آداب کیا ہیں اور بعض اعتقادی امور میں اختلاف کے باوجود اختلاف رکھنے والی جماعتیں اور فرقے ایک دوسرے کے ساتھ کیا رویہ اختیار کریں، اختلافات کو مٹانے اور کم کرنے کی کیا شکلیں ہیں اور اختلاف کے باوجود امت مسلمہ کے وحدت کو کس طرح قائم رکھا جاسکتا ہے اور موجودہ حالات میں امت مسلمہ کا شیرازہ جس طرح بکھر رہا ہے اس کے سدباب کے لئے کیا تدابیر اختیار کی جانی چاہئیں، موجودہ حالات کے تناظر میں درج ذیل سوالات پیش خدمت ہیں، امید ہے کہ آپ اپنے علم و تفقہ کو بروئے کار لاکر ان سوالات کے تحقیقی جوابات تحریر فرمائیں گے اور امت مسلمہ کی شیرازہ بندی اور اتحاد میں بھرپور حصہ لیں گے۔

(۱) فقہی مسالک کے اختلافات کا بڑا حصہ وہ ہے جن میں اختلاف کی نوعیت، افضل غیر افضل، راجح، مرجوح کی ہوتی ہے، چند ہی مسائل ایسے ہیں جن میں اختلاف کی نوعیت حلال و حرام، یا جائز و ناجائز کی ہو، اور یہ بھی طے شدہ ہے کہ جن مسائل میں اختلاف کی نوعیت جائز اور ناجائز یا حلال و حرام کی ہوتی ہے ان میں بھی چونکہ مسئلہ مجتہد فیہ ہوتا ہے اور اجتہادی مسائل میں اپنی رائے اور مسلک

کوترجیح دی جاسکتی ہے،لیکن مخالف رائے کو بالکل باطل قرار دینا اور اس اختلاف کوحق اور باطل کی جنگ قرار دینا درست نہیں ہوتا ہے مگر موجودہ دور میں یہ دیکھا گیا ہے کہ بعض مصنفین ،مقررین اور مدرسین اپنے مسلک کی ترجیح میں ایسا طریقہ اختیار کر لیتے ہیں جس سے دوسرے مسلک اور رائے کی تنقیص ہوتی ہے، یا اس کے خلاف طنز وتعریض ہوتی ہے،اور دوسری رائے کی بالکلیہ نفی کی جاتی ہے،ان فقہی مباحث میں کسی مسلک یا قول کوترجیح دینے کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا جانا چاہئے اور کن حدود وآداب کا لحاظ کیا جانا چاہئے جن کی رعایت کرنے سے مسلمانوں کا اتحاد مضبوط ہو اور گروہ بندی کی شکل پیدا نہ ہو۔

(۲) جن اختلافات کا تعلق کسی نہ کسی درجہ میں عقیدے سے ہے مثلاً شیعہ سنی اختلافات یا بعض مسائل میں دیوبندی اور بریلوی اختلافات،سلفی اور غیر سلفی اختلافات،اختلافی موضوعات پر گفتگو،مذاکرہ اور تبادلہ خیال کا کیا طریقہ اختیار کیا جانا چاہئے،جس سے باہمی منافرت میں اضافہ نہ ہو اور کم از کم ایک دوسرے کو برداشت کرنے کا مزاج بنے۔

(۳) جس فکر یا عقیدے کو کوئی شخص گمراہی سمجھتا ہو،لیکن ان کی بنیاد پر تکفیر کا قائل نہ ہو،ایسے فکر یا عقیدے پر تنقید اور جس فکر یا عقیدے کو موجب کفر سمجھتا ہو اور اس کی بنیاد پر اس کے حاملین کو کافر قرار دیتا ہو،اس پر تنقید دونوں میں شرعی لحاظ سے کوئی فرق ہے یا نہیں؟اگر ہے تو اس کی وضاحت کی جائے اور دونوں قسم کے فکر اور عقیدہ پر تنقید کے حدود وآداب بیان کئے جائیں۔

(۴) اس وقت شیعہ سنی کے اختلافات اور تنازعات بھیانک شکل اختیار کر چکے ہیں اور ان کی بنیاد پر امت مسلمہ بدترین جنگ وخونریزی میں مبتلا ہے اور دشمنان اسلام نے منصوبہ بندی کر کے ہمارے ان اختلافات کو بھڑکا کر عالم اسلام میں تباہی مچا رکھی ہے،ایک فرقہ کے لوگ بے تحاشہ دوسرے فرقہ کے لوگوں کو قتل کر رہے ہیں اور اس کو کار ثواب سمجھنے لگے ہیں،کیا اسلام اس کی اجازت دیتا ہے کہ ہم ان لوگوں کو جنہیں ان کے بعض عقائد کی بنا پر گمراہ یا خارج از اسلام سمجھتے ہیں بے دریغ قتل کریں ایک دوسرے کی زیر انتظام مساجد اور اداروں پر حملہ کریں ایک دوسرے کی اہم مذہبی شخصیات کو قتل کریں،اس وقت عالم اسلام کے مختلف ملکوں میں (شام،عراق، یمن، پاکستان) شیعہ سنی آویزش جو شکل اختیار کر چکی ہے،شرعی نقطہ نظر سے اس کا حکم کیا ہے اور اس خونریزی کو روکنے کے لئے علماء، اصحاب فکر ودانش اور عام مسلمانوں کی کیا ذمہ داری ہے؟

(۵) دنیا کے مختلف ملکوں میں سنی اور شیعہ مشترک آبادیاں ہیں،دونوں فرقے سینکڑوں سال سے ان ملکوں اور علاقوں میں آباد ہیں،کیا یہ دونوں فرقے (خواہ ایک دوسرے کو گمراہ یا کافر قرار دیتے ہوں) پر امن بقاء باہم کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتے،جس طرح بہت سے ملکوں میں مسلمان غیر مسلموں کے ساتھ پر امن بقاء باہم کے اصولوں پر زندگی گزار رہے ہیں اور شریف انسانوں کی طرح اپنے غیر مسلم پڑوسیوں کے حقوق ادا کرتے ہیں اگر شرعی لحاظ سے یہ دونوں فرقے ایک ملک اور ایک علاقہ میں امن وسلامتی کے ساتھ گزارہ کر سکتے ہیں،تو اس کے لئے کیا شرعی اصول وآداب ہیں اور باہمی منافرت اور جنگ وجدال کو روکنے کے لئے دونوں فرقوں کے علماء ومذہبی پیشواؤں کی کیا ذمہ داریاں ہیں،تاکہ دونوں فرقے پر امن طور پر زندگی گزار سکیں اور ایک دوسرے کے انسانی حقوق کا خیال کرتے ہوئے باہم رہ سکیں۔

☆☆☆

سوالنامہ:

بین مذہبی مذاکرات-اصول وآداب

گذشتہ ادوار میں ایسا کم ہوا کرتا تھا کہ ایک خطہ میں مختلف مذاہب وادیان سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی قابل لحاظ آبادی بستی ہو؛ لیکن موجودہ دور میں معاشی مواقع کی تلاش، سیاسی حالات اور بعض دوسرے اسباب کی بنیاد پر دنیا کے اکثر ملکوں میں مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والی ملی جلی آبادیاں پائی جاتی ہیں، یہاں تک کہ ایک اندازہ کے مطابق دنیا کی نصف مسلم آبادی غیر مسلم اکثریت ممالک میں بستی ہے، خود ہمارے ملک ہندوستان کی صورتحال یہ ہے کہ انڈونیشیا کے بعد مسلمانوں کی سب سے بڑی تعداد یہیں آباد ہے، اسی طرح مسلم ممالک میں بھی غیر مسلم شہری یا تارکین وطن کی قابل لحاظ آبادیاں موجود ہیں، ملیشیا میں چالیس فیصد تعداد غیر مسلموں کی ہے، انڈونیشیا کا حال بھی اسی سے قریب ہے، اسرائیل کے بعد یہودیوں کی سب سے زیادہ تعداد ایران میں رہتی ہے، قبطی عیسائیوں کی سب سے بڑی آبادی مصر میں ہے، جو وہاں کی آبادی کا دس فیصد ہیں، وغیرہ۔

پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ گذشتہ زمانہ میں بین ملکی تعلقات بہت محدود ہوا کرتے تھے، اکثر و بیشتر ان تعلقات کا دائرہ پڑوسی ممالک سے آگے نہیں بڑھتا تھا، ابلاغ اور مواصلات کے تیز رفتار وسائل کے معرض وجود میں نہ آنے کی وجہ سے دور دراز کے ملکوں سے تعلقات کو استوار کرنے کی صورت بھی نہیں تھی، اب مختلف ملکوں اور قوموں کے درمیان تجارتی، معاشی، سیاسی اور دفاعی تعلقات بہت وسعت اختیار کر گئے ہیں، اور کئی ایسے عالمی ادارے موجود ہیں، جو مختلف جہتوں سے مختلف ممالک کو ایک دوسرے سے مربوط کرنے کا کام کرتے ہیں۔

آبادیوں کے اختلاط اور تعلقات کے اس پھیلاؤ کی وجہ سے بین مذہبی مذاکرات کی ضرورت بہت بڑھ گئی ہے، کیونکہ مذاکرات دوسروں کو سمجھنے، اپنے آپ کو سمجھانے، غلط فہمیوں کو دور کرنے، امن وامان کو قائم رکھنے، باہمی اختلافات کو صلح کی میز پر حل کرنے، شدت پسندی کو روکنے اور بقائے باہم کے اصول پر رواداری اور ایک دوسرے کے احترام کے ساتھ رہنے کو آسان بناتے ہیں؛ لیکن بین مذہبی مذاکرہ جہاں بہت مفید اور اہمیت کا حامل عمل ہے، وہیں یہ بڑا نازک کام بھی ہے؛ کیونکہ ایک مسلمان دوسروں کے مذہبی جذبات کا احترام تو کرسکتا ہے؛ لیکن اپنے مذہب کے کسی حکم سے دست بردار نہیں ہوسکتا۔

موضوع کی اہمیت اور ہندوستان کے موجودہ حالات میں اس کی ضرورت اور نزاکت کے پیش نظر اکیڈمی نے اپنے پچیسویں فقہی سمینار میں اس موضوع کو بھی شامل کیا ہے، اور اس سلسلہ میں درج ذیل سوالات پیش خدمت ہیں:

۱- مختلف مذاہب کے لوگوں سے جن امور پر مذاکرات کئے جاسکتے ہیں، وہ بنیادی طور پر تین نوعیت کے مسائل ہوں گے: مذہبی، سماجی اور سیاسی- کیا ان تمام پہلوؤں پر باہمی مذاکرات ہوسکتے ہیں؟

۲- مختلف مذاہب کے درمیان بہت سی تعلیمات میں اشتراک پایا جاتا ہے، کیا باہمی مذاکرات میں ایسی چیزوں کے بارے میں دوسرے مذاہب کی کتابوں کا حوالہ دیا جاسکتا ہے اور ان سے استفادہ کیا جاسکتا ہے؟

۳- باہمی مذاکرات اور خوشگوار تعلقات کے لئے کیا دیگر اہل مذاہب کے بعض مذہبی رسوم واعمال میں انسانی خدمت اور بھائی چارہ کے

پہلو سے شرکت کی جاسکتی ہے؟۔

۴- ہم آہنگی برقرار رکھنے اور فتنہ وفساد سے بچنے کی غرض سے کیا کچھ ایسے اعمال کو ترک کیا جاسکتا ہے جو شرعاً واجب نہیں ہیں؛ یا جن کا تعلق مذہب سے نہیں ہے، مسلمانوں کی متوارث تہذیب وثقافت سے ہے۔

۵- یہ بات ظاہر ہے کہ اسلام کی نظر میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانے کی گنجائش نہیں ہے، اس جہت سے شرک پر اور معبودان باطل پر تنقید کرنے کے سوا چارہ نہیں ہے؛ لیکن بعض دفعہ شائستہ تنقید بھی دل آزاری کا سبب بن جاتی ہے اور بعض اوقات زبان کی بے احتیاطی کی وجہ سے واقعتہً تنقید دل آزار بن جاتی ہے، ایسی صورت میں مسلمانوں کے لئے مذاہب باطلہ پر تنقید کی کیا حدود ہیں، اور ان مسائل پر اظہار خیال میں کن آداب کی رعایت کی جانی چاہئے؟

۶- مشترک سماجی مسائل جیسے غربت، کرپشن، بے حیائی، عورتوں، مزدوروں اور عمر دراز لوگوں کے ساتھ زیادتی وغیرہ پر کیا مختلف اہل مذاہب کے ساتھ مذاکرات کرنے چاہئیں؛ تاکہ سب ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوکر جدوجہد کریں؟

۷- جمہوری ممالک کے اندر سیاست میں حصہ داری کی غیر معمولی اہمیت ہے، اس کے لئے بھی بعض اوقات مذہب کی نمائندہ شخصیتوں یا کسی مذہب کی نمائندگی کرنے والی سیاسی جماعت کے ساتھ گفت وشنید کی ضرورت پیش آتی ہے، کیا ان کے ساتھ باہمی مذاکرات کئے جاسکتے ہیں، بالخصوص ایسی صورت میں کہ اس جماعت کے نصب العین میں اسلام مخالف باتیں موجود ہوں؟

۸- پردے کا جو تصور اسلام میں ہے، دوسرے مذاہب بحالت موجودہ اس سے خالی ہیں، اس صورت حال میں جب بین مذہبی مذاکرات کی مجلسیں یا پروگرام ہوتے ہیں تو بہت سی دفعہ اسٹیج پر خواتین مقرر بھی موجود ہوتی ہیں، ایسے مواقع پر مسلمانوں کا کیا طرز عمل ہونا چاہئے؟۔

☆☆☆

تجاویز:

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کا پچیسواں فقہی سمینار ہندوستان کی مشرقی ریاست آسام کی قدیم دینی درسگاہ جامعہ عربیہ اسلامیہ بدرپور میں مورخہ ۵-۷ رفروری ۲۰۱۶ء کو منعقد ہوا، جس میں پورے ملک سے تقریباً ڈھائی سو علماء وارباب افتاء، اسلامی علوم کے ماہرین ودانشوران نے شرکت فرمائی، اسی طرح سعودی عرب، ایران، جنوبی افریقہ، بنگلہ دیش اور نیپال کے علماء کی بھی اس میں شرکت رہی، اس سمینار میں پانچ اہم موضوعات زیر بحث لائے گئے اور باتفاق رائے درج ذیل تجاویز منظور کی گئیں:

۱- اہل کتاب سے متعلق مسائل واحکام:

۱- اہل کتاب قرآن وحدیث کی ایک اصطلاح ہے اور عہد نبوت سے ہی اہل کتاب کا لقب یہود ونصاری دونوں گروہوں کے ساتھ خاص ہے، جمہور فقہاء بشمول متاخرین احناف نے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔

۲- صابئین کی تحقیق میں آراء انتہائی مختلف رہی ہیں، اس لئے ان کا معاملہ ہنوز مشتبہ ہے، اس لئے کسی ایک رائے کو اختیار کرنا مشکل ہے۔

۳- یہود ونصاری جب تک تورات وانجیل اور اپنے پیغمبر کے ماننے کے مدعی ہیں وہ قرآن وحدیث کی اصطلاح میں اہل کتاب کہلائیں گے، جو عیسائی یا یہودی منکر خدا اور مذہب بیزار اور وحی وپیغمبر کے سرے سے منکر ہیں وہ اہل کتاب کے ہرگز مصداق نہیں، نکاح وذبیحہ کے باب میں ان کا حکم اہل کتاب کا نہ ہوگا۔

۴- بابی، بہائی، سکھ اور قادیانی خواہ نسلی ہو یا بذات خود ان مذاہب کو اختیار کیا ہو وہ اہل کتاب میں داخل وشامل نہیں۔

۵:الف- کتابیہ سے نکاح فی نفسہ جائز ہونے کے باوجود موجودہ دور میں کسی بھی ملک میں کتابیہ سے نکاح عموماً مفاسد ومضرات سے خالی نہیں، لہذا مسلمانوں کو اس سے گریز کرنا چاہئے۔

ب- نان ونفقہ، حقوق زوجیت اور حسن معاشرت کے تعلق سے جو حقوق مسلمان بیویوں کے ہیں وہی حقوق کتابیہ بیویوں کے بھی ہیں، محض کتابیہ ہونے کی بنا پر ان کے حقوق سے راہ فرار اختیار کرنا اور چھوڑ کر بھاگ آنا درست نہیں، ہاں اگر کتابیہ بیویوں کی رفاقت سے دین متاثر ہو رہا ہو تو پھر اس سے علاحدگی اختیار کرنا بھی ضروری ہے۔

ج- اگر زوجہ کتابیہ اپنے مذہب کے مطابق مذہبی رسوم انجام دینا چاہے تو شوہر اس حد تک اس سے چشم پوشی سے کام لے گا کہ جس کا ضرر خود پر یا اپنے بچوں پر نہ پڑے۔

۶- کسی کتاب کا آسمانی اور کسی انسان کا نبی ورسول ہونا یہ دونوں مسئلے اعتقادات سے متعلق ہیں اور اعتقادات کے لئے دلائل قطعیہ کا ہونا ضروری ہے اور دیگر اقوام کی مذہبی کتابوں اور ان کے مقتداؤں کے نبی ورسول ہونے پر کوئی یقینی دلیل نہیں، لہذا دیگر اقوام کی مذہبی کتابوں کا قرآن مجید کی بہت سی اعتقادی اور اخلاقی تعلیمات میں محض موافقت کی وجہ سے ان کتابوں کے آسمانی کتاب ہونے کا یقین نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح ایسی شخصیتوں کے پیغمبر ہونے کا بھی یقین نہیں کیا جاسکتا ہے جن کے بارے میں کتاب وسنت خاموش ہیں۔

۷- ہمدردان قوم وملت علماء وعوام پر لازم ہے کہ ایسے عصری معیاری تعلیمی اداروں کے قیام پر توجہ دیں جن میں عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی واخلاقی تعلیم وتربیت کا بھی نظم ہو، جب تک ایسے اداروں کا نظم نہ ہوتو بدرجہ مجبوری ان اداروں میں جہاں اخلاقی ودینی عقائد کے متاثر ہونے کا اندیشہ ہو احتیاطی تدابیر کے نظم کے ساتھ تعلیم دلانے کی گنجائش ہے۔

۸- غیر مسلم رفاہی اداروں میں خدمت کرنے اور ان سے استفادہ کرنے میں مسلمانوں کو احتیاط برتنا چاہئے، اگر ان اداروں میں کسی ملازم کے ذمہ کوئی ایسا کام سپرد کیا جائے یا قرض وغیرہ سے استفادہ کے نتیجہ میں کوئی ایسا کام کرنا پڑے جس میں عیسائیت کے مشن کی اعانت یا ترویج ہو یا باطل عقائد ونظریات سے متاثر ہونے کا اندیشہ ہو تو ایسی خدمت سے انکار واجب ہے اور استفادہ جائز نہیں۔ ملی وسماجی مسلم تنظیموں کی یہ ذمہ داری ہے کہ متبادل نظام پر توجہ دیں۔

۲- اسلام میں بوڑھوں اور کمزوروں کے حقوق:

اسلام ایک دین فطرت ہے جو اخلاق وآداب اور معاملات کی ایسی تعلیم دیتا ہے جو انسان کو انسانیت کی تکمیل تک پہنچا دیتی ہے، رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا مقصد ہی مکارم اخلاق کی تعلیم ہے، اسلام کے عطا کیے ہوئے مکارم اخلاق کا ایک اہم عنصر معذورین اور سن رسیدہ لوگوں کی قدر ومنزلت اور ان کے حقوق کی ادائیگی ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو اس بات کا پابند بناتا ہے کہ معذوروں اور عمر رسیدہ لوگوں کی عزت اور ان کی ہر طرح کی ضرورتوں کا مکمل خیال رکھا جائے۔

اس تناظر میں اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کا یہ تاریخی سمینار اسلامی اور اخلاقی نقطہ نظر کو واضح کرتے ہوئے درج ذیل تجاویز منظور کرتا ہے:

۱- اگر انسان کے پاس مال ہو تو اصولی طور پر اس کا نفقہ خود اس کے اپنے مال میں واجب ہے؛ البتہ بیوی کا نفقہ ہر حال میں شوہر پر واجب ہے۔

۲- اگر والدین تنگ دست ہوں تو اولاد کے ذمہ ان کا نفقہ واجب ہے، اولاد کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے والدین کو کسب معاش پر مجبور کریں، اگرچہ والدین کسب پر قادر ہوں۔

۳- دوسرے قریبی رشتہ داروں کا نفقہ وعلاج اس وقت واجب ہوگا جبکہ وہ تنگ دست ہونے کے ساتھ کسب سے بھی عاجز ہوں۔

۴- والدین اگر خود کفیل ہوں تو اولاد پر ان کا نفقہ واجب نہیں، لیکن اولاد کو چاہئے کہ اخلاقی طور پر والدین کی ہر جائز خواہش کو پورا کریں۔

۵- والدین کی خدمت اولاد کا فریضہ بھی ہے اور ان کے لئے دنیا وآخرت کی سعادت کا باعث بھی، ضرورت سے زائد معاش اور بلند معیار زندگی حاصل کرنے کے لئے خدمت کے محتاج والدین کو چھوڑ کر دوسرے شہر، دوسری ریاست یا دوسرے ممالک میں جانا اس وقت جائز ہوگا جبکہ والدین کے خدمت گار موجود ہوں اور والدین اس پر راضی بھی ہوں۔

۶- ساس اور سسر کی خدمت بہو پر شرعاً واجب نہیں ہے، لیکن شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے خدمت کرنا اس کی اخلاقی ذمہ داری ہے۔

۷- ماں باپ کی خدمت بیٹا اور بیٹی دونوں پر واجب ہے۔

۸- اگر والدین بالکل مجبور ہوں یا ایسی بیماریوں میں مبتلا ہوں کہ بیٹی کی خدمت کے محتاج ہوں اور بیٹی کے علاوہ کوئی خدمت گار نہ ہو تو ایسی صورت میں بیٹی کو والدین کی خدمت کرنی چاہئے، شوہر کو چاہئے کہ اس کی اجازت دے۔

۹- اولاد کا اپنے والد کو نکاح ثانی سے روکنا جائز نہیں ہے، اور اگر باپ اپنی اس بیوی کے اخراجات کی ادائیگی پر قادر نہ ہو تو اس کی زوجہ ثانیہ (سوتیلی ماں) کا نفقہ بھی اس کی غنی اولاد پر واجب ہے۔

۱۰- والدین کی زندگی میں تقسیم جائیداد کا مطالبہ کرنا اولاد کا حق نہیں، والدین خود اپنی مرضی سے تقسیم کر کے مالکانہ تصرف دیدیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۱۱-الف: اپنے بزرگ رشتہ داروں کو اپنے ساتھ رکھ کر خدمت کرنا یا بہ وقت ضرورت دوسرے خدمت گار کے ذریعہ ان کی خدمت کرانا شرعی فریضہ ہے، اس لئے اولڈ ایج ہوم اسلام کے مزاج سے ہم آہنگ نہیں؛ البتہ بے سہارا لوگوں کے لئے ایسا اولڈ ایج ہوسٹل جن میں شرعی تقاضے پورے ہوتے ہوں، بنانے کی اور وہاں رکھنے کی شرعاً گنجائش ہے۔

ب: جو لوگ خود یا خدمت گار کے ذریعہ اپنے والدین کی خدمت کر سکتے ہیں، ان کے لئے بوڑھے والدین کو ان کی اجازت و مرضی کے بغیر ایسے ہاسٹل میں رکھنا جائز نہیں؛ البتہ اگر ضرورت کے تحت اور والدین کی اجازت و مرضی سے ان کو ہاسٹل میں رکھا جائے تب بھی اولاد پر واجب ہے کہ وہ مسلسل ان کی خبر گیری کرے، اور ان سے ملاقات کرتا رہے۔

۱۲- حکومت عمر رسیدہ لوگوں کو رعایتیں فراہم کرنے کے لئے جو عمر مقرر کرتی ہے اس عمر کو پہنچنے سے پہلے ان مراعات سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے۔

۳- وحدتِ امت-اصول و آداب:

۱- وحدتِ امت وقت کی ایک اہم ترین ضرورت اور دین حق کا اہم ترین مطلوب ہے، اس وحدت کو نقصان پہنچانے والے اختلافات اس وقت کا بڑا مفسدہ ہے جس سے امت مسلمہ بدحال ہے، اختلاف کی وہ تمام صورتیں جو فطری اور محمود ہیں وہ ہرگز نقصان رساں نہیں، لیکن وہ بھی اگر شرعی حدود کی رعایت کے ساتھ نہ ہوں تو وہ بھی امت کے لئے زہر ہیں۔

جو اختلافات مذموم ہیں وہ کتنے ہی اچھے جذبہ سے ہوں وہ بہر حال غیر شرعی ہیں۔

فقہی مسائل کے اختلافات میں جہاں اختلاف صرف افضل و غیر افضل اور راجح و مرجوح کا ہے ان میں اپنی رائے کو سراسر حق اور دوسری رائے کو سراسر باطل قرار دینا ہرگز درست نہیں ہے۔

جن مسائل میں اختلافات کی نوعیت حلال و حرام و جائز و ناجائز کی ہے وہ بھی چونکہ مجتہد فیہ مسائل ہیں، اس لئے ان میں بھی دوسرے کے مسلک کی تغلیط اور اس کو مکمل باطل قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

اس لئے اس طرح کے تمام مسائل کو عوامی نہ بنایا جائے، انفرادی طور پر اپنا مسلک اور اس کے دلائل بیان کرنے میں مضائقہ نہیں؛ بلکہ بعض مواقع و ضرورت پر بہتر ہیں، لیکن دوسرے مسلک والوں میں ایسے مسائل پر گفتگو ہو تو انصاف و دیانت کے ساتھ ہر موقف کے دلائل بیان کئے جائیں۔ شخصیات کا احترام اور انداز کلام میں شرافت و متانت ملحوظ رکھی جائے۔

۲- جن مسائل میں اختلاف کی نوعیت عقیدہ کی ہے ان میں اپنے عقیدہ کا اثبات، دلائل کی توضیح درست ہے، لیکن دوسرے کو اشتعال

دلانے والے طرز گفتگو سے اجتناب ضروری ہے۔تبادلہ خیال میں اپنے مسلک کے مستدلات کو بھی پیش نظر رکھا جائے اور تفصیلاً بیان کیا جائے،مگر دوسرے کی توہین،تنقیص اور تشنیع سے پرہیز کیا جائے،دوسرے کی طرف سے اگر نامناسب طرز کلام پایا جائے تو بھی اپنی طرف سے سنجیدگی وحدود کی رعایت برقرار رکھی جائے۔

۳- جس فکر یا عقیدہ کو کوئی شخص گمراہی سمجھتا ہو،لیکن ان کی بنیاد پر تکفیر کا قائل نہ ہو،ایسے فکر یا عقیدہ پر تنقید،اور جس فکر یا عقیدہ کو موجب کفر سمجھتا ہو اور اس کی بنیاد پر اس کے حاملین کو کافر قرار دیتا ہو اس پر تنقید،دونوں میں شرعی لحاظ سے فرق ہے۔

ایک موجب کفر ہے اور دوسرا موجب فسق وضلالت،لہذا دونوں پر تنقید کے شرعی آداب وحدود میں بھی فرق ہوگا۔

☆ موجب کفر فکر وعقیدہ پر تنقید کے جو آداب ہیں وہ درج ذیل ہیں:

الف- حتی الامکان ان کو کافر کہنے سے گریز کیا جائے اور احتیاط سے کام لیا جائے۔

ب- دینی،سماجی اور سیاسی مصالح وضروریات کی بنا پر ان کے ساتھ تعاون جائز ہوگا۔

ج- مقصد صرف احقاق حق اور ابطالِ باطل ہو نفسانی اغراض اُس میں شامل نہ ہوں۔

د- فریق مخالف کی حمیت وتعصب کو بھڑکانے کی کوشش نہ کی جائے۔

☆ غیر موجب کفر فکر وعقیدہ کے حدود وآداب مندرجہ ذیل ہیں:

الف- اعتدال ورواداری کا اظہار ہو۔

ب- لہجہ میں خیر خواہی،نرمی ہو اور انداز ناصحانہ ہو،گفتگو تلخ وترش نہ ہو۔

ج- کسی کی نیت پر حملہ نہ ہو۔

۴- اس وقت شیعہ سنی اختلافات وتنازعات بھیانک شکل اختیار کر چکے ہیں اور ان کی بنیاد پر امت مسلمہ بدترین جنگ اور خونریزی میں مبتلا ہے اور دشمنان اسلام نے منصوبہ بندی کر کے ہمارے ان اختلافات کو بھڑکا کر عالم اسلام میں تباہی مچا رکھی ہے۔ایک فرقہ کے لوگ بے تحاشا دوسرے فرقے کے لوگوں کو قتل کر رہے ہیں،اور اس کو کارِ ثواب سمجھنے لگے ہیں۔اسلام اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتا اور اس کو فساد فی الارض سے تعبیر کرتا ہے۔

اس لئے اس وقت عالم اسلام کے مختلف ملکوں میں شیعہ سنی آویزش جو شکل اختیار کر چکی ہے اس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں،اور اس خونریزی کو روکنے کے لئے مصالحتی کوششیں اور مذاکرات ہی واحد حل ہیں۔

۵- دنیا کے جس کسی حصہ میں سنی اور شیعہ مشترک آبادیاں ہیں وہ پُر امن بقائے باہم کے ساتھ مشترکہ اقدار کی بنیاد پر زندگی گذاریں ،ایک دوسرے کی مقدس مذہبی شخصیت پر سب وشتم سے گریز کریں۔

باہمی منافرت اور جنگ وجدال کو روکنے کے لئے دونوں فرقوں کے علماء ومذہبی پیشواؤں کا اور اہل صلاح کا کلیدی کردار ہے،ممکنہ اسباب کے ذریعہ مصالحتی کوششیں اور مذاکرات بروئے کار لانے کی ان حضرات کی شرعی واخلاقی ذمہ داری ہے۔

۴- بین مذہبی مذاکرات-اصول وآداب:

آج مورخہ ۷/۲/۲۰۱۶ء کو تجویز کمیٹی کی میٹنگ میں ''بین مذہبی مذاکرات-اصول وآداب'' کے موضوع پر غور وخوض کے بعد

مندرجہ ذیل تجاویز بہ اتفاق مرتب ہوئیں:

۱- مذہبی، سماجی اور سیاسی بنیادوں پر بین مذہبی مذاکرات کئے جاسکتے ہیں، بشرطیکہ ان مذاکرات سے مسلمانوں کے مذہبی تصورات وعقائد متاثر نہ ہوں، اوران کو رواداری، پُرامن بقاء باہم، دعوت دین، غلط فہمیوں کے ازالہ اور سماجی وسیاسی مشکلات کے حل کے لئے استعمال کیا جائے۔

۲- مختلف مذاہب کے درمیان بعض قدریں مشترک ہیں، اس لئے مفید مقاصد کے لئے دیگر مذاہب کی کتابوں سے استفادہ اور حوالہ کی گنجائش ہے۔

۳- دیگر اہل مذاہب کے مذہبی رسوم واعمال میں شرکت جائز نہیں ہے۔

۴- ہم آہنگی برقرار رکھنے اور فتنہ وفساد سے بچنے کے لئے عام حالات میں ایسے مباح اعمال سے دست بردار ہونا درست نہیں جو مسلمانوں کی متوارث تہذیب کا حصہ ہیں۔

۵- عقیدۂ توحید ورسالت اقوام عالم کے سامنے پیش کرنا اور جملہ کفر وشرک کے رسوم واعمال سے براءت کا اظہار کرنا مسلمانوں کا دینی فریضہ ہے؛ البتہ اس بات کی پوری کوشش کی جائے کہ اظہار براءت کے ایسے طریقے اور اسالیب اختیار نہ کیے جائیں جن سے دیگر اہل مذاہب کی دل آزاری ہو۔

۶- صحت مند انسانی معاشرہ کی تشکیل کے لئے مشترکہ سماجی مسائل جیسے غربت، کرپشن (بدعنوانی)، بے حیائی، عورتوں، مزدوروں اور سن رسیدہ افراد کے ساتھ زیادتی وغیرہ پر مختلف اہل مذاہب کے ساتھ مذاکرات وقت کی اہم ضرورت ہیں اور مسلمانوں کو اس میں حصہ لینا چاہئے۔

۷- مسلمانوں کے دینی، قومی اور اجتماعی مفادات کے تحفظ کے لیے مختلف سیاسی جماعتوں، مذہبی تنظیموں اور شخصیات کے ساتھ بہ وقت ضرورت شرعی اصولوں کی رعایت کرتے ہوئے مذاکرات کرنا نہ صرف جائز، بلکہ مستحسن ہے۔

۸- بین مذہبی مذاکرات کو ثمر آور بنانے کے سلسلہ میں درج ذیل اقدامات مفید ثابت ہو سکتے ہیں:

الف- مذاکرات کی صلاحیت کے حامل مسلم اسکالرس کا ایک وفاق بنایا جائے۔

ب- ہر صوبہ کے ممتاز دینی مدارس اور جامعات میں تقابلی مطالعۂ ادیان ومذاہب پر خصوصی توجہ دی جائے، اور اس کے لیے ایک خاص شعبہ قائم کیا جائے۔

ج- ملک کی مختلف یونیورسٹیوں اور تحقیقی اداروں میں قائم مذاہب وادیان کے شعبوں سے مسلسل رابطہ رکھا جائے اور ان سے استفادہ کی بھرپور کوشش کی جائے۔

د- مختلف ادیان ومذاہب کے رہنماؤں کا ایک متحدہ پلیٹ فارم تشکیل دیا جائے، جس کے اجتماعات وقتاً فوقتاً ملک کے مختلف اہم علاقوں میں منعقد کیے جائیں۔

ھ- ملک کی مختلف مذہبی تنظیموں اور اداروں سے براہ راست مذاکرات کا سلسلہ شروع کرنے کے عملی اقدامات کیے جائیں۔

و- مسلمانوں میں خدمت خلق کے رجحانات کو فروغ دینے کی کوشش کی جائے، اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے رفاہی تنظیمیں (N.G.O) قائم کی جائیں اور اس غرض کے لیے قائم اداروں کے تجربات سے فائدہ اٹھایا جائے۔

۵-طلاق غضبان (غصہ کی طلاق):

پچیسواں فقہی سمینار منعقدہ ۵ تا ۷ فروری ۲۰۱۶ء بمقام بدرپور آسام کے موضوعات میں ایک اہم موضوع ''طلاق غضبان'' کا ہے، یعنی حالت غضب میں دی گئی طلاق کا حکم کیا ہے؟ کافی بحث ومباحثہ اور غور وخوض کے بعد شرکاء سمینار جس نتیجہ پر پہنچے وہ درج ذیل ہے:

۱- نکاح ایک ایسا رشتہ ہے جس میں شرعاً دوام واستحکام مطلوب ہے، اور جن باتوں کی گنجائش رکھی گئی ہے، ان میں طلاق سب سے زیادہ ناپسندیدہ عمل ہے، جس کا بہ وقت ضرورت ہی استعمال کرنا چاہئے، لہٰذا شوہر کو چاہئے کہ غصہ کی حالت میں اپنے دل ودماغ پر قابو رکھے اور طلاق کے الفاظ زبان پر لانے سے احتراز کرے۔

۲- غصہ کی حالت میں دی گئی طلاق شرعاً واقع ہوگی؛ البتہ اگر غصہ جنون کی حد تک پہنچ گیا ہو اور شوہر غصہ کی حالت میں دماغی توازن کھو چکا ہو، اسے یہ معلوم نہ ہو کہ کیا کہہ رہا ہے اور کیا کر رہا ہے؟ تو ایسی حالت میں اس کا حکم مجنون کا ہوگا اور اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

☆☆☆